تفسیرالقرآن بالقرآن و السنة

تفسیر مفتی محمد عبدہ کا اختصاصی مطالعہ

عائشہ جبیں*

ثمینہ سعدیہ**

قرآن مجید بلاشبہ آخری آسمانی صحیفہ ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ یہ کتابِ عظیم شریعتِ اسلامیہ کا مصدرِ اول، انسانیت کے لئے تاقیامت سرچشمہ ہدایت، مکمل دستورِ عمل اور علم وحکمت کا منبع ہے۔ حیاتِ ارضی واخروی میں سعادت ونجات اس کتابِ عظیم پر ایمان وعمل سے مشروط ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانیت تک اس کتابِ حکمت کے الفاظ، اور ان کا تلفظ، آیات اور ان کے معانی ومفہوم اپنے محبوب خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے منتقل کئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[1]

اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کردو۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾[2]

اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں (اللہ کی) کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

گویا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے اولین معلم، مفسر، شارح وترجمان ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم مفسر ومعلم قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین شاگرد، جنہوں نے قرآن کریم کی تلاوت، اس کا علم، فہم اور عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو قرآن کی تعلیم دینے کا جو اہتمام فرماتے تھے اسے درج ذیل حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو قرآن کی ایک آیت کا مفہوم، دوسری

---

*پی ایچ ڈی سکالر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور، پاکستان

**اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

آیات کی روشنی میں سکھایا، جب آیت کریمہ ﴿ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ [3] میں ظلم کے لفظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوگئے کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس نے ظلم نہ کیا ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ [4]﴾۔ [5]

یوں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس جانب رہنمائی فرمائی کہ آیاتِ قرآنیہ کی معرفت ووضاحت کے لئے دیگر آیاتِ کریمہ پر غور کرنا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول وفعل سے بھی آیات کے معانی ومفاہیم کی وضاحت فرماتے۔ مثلاً یہ حدیثِ مبارکہ ملاحظہ کیجیے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِي الله عنه قَالَ: قَرَأَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الآيَةَ: {يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا} قَالَ ((أَتَدْرُونَ مَا أَخْبَارُهَا؟)) قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: ((فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلَى ظَهْرِهَا، تَقُولُ: عَمِلَ يَوْمَ كَذَا كَذَا وَكَذَا، فَهَذِهِ أَخْبَارُهَا)). [6]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن یہ آیت ﴿ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا﴾ [7] تلاوت کرکے فرمایا: جانتے ہو کہ زمین کا خبر دینا کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: اس کا خبر دینا یہ ہے کہ ہر مرد اور عورت نے جو اس پر عمل کئے ہوں گے وہ ان پر گواہی دے گی۔ زمین کہے گی کہ فلاں نے مجھ پر یہ عمل کیا فلاں نے مجھ پر یہ کام کیا، تو بس یہی اس کا خبر دینا ہے۔

اس طرح نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل سے تفسیرِ قرآن کے دو بنیادی مصادر اور اصول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے متعین ہوگئے ایک تفسیر القرآن بالقرآن اور دوسرا تفسیر القرآن بالسنة۔

اس کی ایک مثال محرماتِ نکاح ہیں، آیت ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾ [8] میں نکاح کے لئے بغیر کسی تخصیص کے مطلقاً عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر سورۃ النساء کی اس آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ

الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾[9] سے ہوتی ہے۔اس کے بعد محرماتِ نکاح کی مزید وضاحت نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان سے ہوتی ہے: "لاَ يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلاَ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا."[10]

عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے قرآن کا علم و فہم آگے منتقل کیا۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم فیضانِ نبوت سے براہِ راست مستفید ہونے کے سبب دین کے عارف اور شریعت کے عالم ہیں نیز وہ نزولِ قرآن کے وقت، حالات، وقائع وقرائن کے بھی شاہد ہیں اس لئے انہوں نے تعلیمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، روحِ شریعت اور دین کی مجموعی تعلیمات کی روشنی میں آیات کے معانی ومفاہیم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ متعدد مسائل میں اجتہاد بھی کیا۔ عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے بعد ان کے چشمۂ علم و فضل سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر کے اسے آگے منتقل کرنے والے حضرات تابعینِ کرام ہیں۔ تابعین نے صحابہ رضی اللہ عنھم سے اخذ کردہ منہج پر قرآن کریم کی تفسیر بیان کی۔ اس طرح تفسیرِ قرآن کا یہ مبارک سلسلہ جو عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوا اس کے بعد عہد بہ عہد آگے بڑھتا رہا ہے۔ علمائے کرام نے ہر دور کے حالات اور تقاضوں کے مطابق عوام الناس کی رہنمائی کے لیے قرآنی تعلیمات کی وضاحت احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں پیش کی۔ اور انہوں نے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد بھی کیا، قرآن وسنت ہی ان کی اجتہادی آرا کا ماخذ ومصدر تھے۔ مثلاً امام رازیؒ (م۔ ۶۰۴ھ) نے تفسیر **مفاتیح الغیب**، ابو حیان اندلسی (م۔ ۷۵۴ھ) نے تفسیر **البحر المحیط فی علم التفسیر** اور علامہ آلوسی بغدادیؒ (م۔ ۱۲۷۰ھ) نے تفسیر **روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی** میں اور دیگر مفسرین نے بکثرت مقامات پر متعدد مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں عربی زبان میں لکھی گئی جو تفاسیر منصۂ شہود پر آئیں ان میں مفتی محمد عبدہ (۱۸۴۹ء – ۱۹۰۵ء) کی **تفسیر المنار** اور **تفسیر جزء عم** خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ کیونکہ محمد عبدہ نے جن اصولِ تفسیر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کی تفسیر کی ہے وہ ائمہ اسلاف کے ہاں مروجہ ومسلمہ اصولِ تفسیر سے مختلف ہیں۔ مفتی محمد عبدہ مملکتِ مصر کے نمایاں مصلح اور مفکر ہیں۔ جامع الازہر سے سندِ عالمیت حاصل کرنے کے بعد اسی جامع میں تدریس سے وابستہ ہوئے۔ زمانۂ طالبِ علمی میں ان کی ملاقات علامہ جمال الدین افغانیؒ سے ہوئی، جن کے خطبات وافکار سے متاثر ہو کر محمد عبدہ نے مستقل طور پر ان کی شاگردی اختیار کر لی۔ اس وقت مصر، مغربی طاقتوں کے حریفانہ مقابلوں کا مرکز بنا ہوا تھا جس کے نتیجہ میں ۱۸۸۲ء میں برطانیہ مصر پر قابض ہو گیا۔

۱۸۹۹ء میں محمد عبدہ کو سرکارِ مصر نے مملکت کا مفتی مقرر کیا۔ ۱۸۹۹ء میں ہی انہوں نے الازہر میں تفسیری دروس کا سلسلہ شروع کیا۔ محمد عبدہ کے شاگرد، رشید رضا ان دروس کو تحریر کرتے اور استاد کو ترمیم واصلاح کے لئے پیش کرنے کے بعد مجلة المنار میں شائع کرتے۔ یہ تفسیر ابھی سورة النساء ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا﴾ "تک ہوئی تھی کہ محمد عبدہ کا انتقال ہو گیا۔ محمد عبدہ کی وفات کے بعد اس مجلہ میں رشید رضا نے تفسیر کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا جو ابھی سورة یوسف تک پہنچا تھا کہ ۱۹۳۵ء میں رشید رضا کا بھی انتقال ہو گیا[۱۲]۔ محمد عبدہ نے قرآن کی تفہیم و تفسیر کے لیے جن امور کو اہمیت دی ہے انہیں رشید رضا نے اپنے استاد کے تفسیری دروس قلمبند کرتے ہوئے تفسیر المنار کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے۔ مقدمہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیرِ قرآن کے لیے محمد عبدہ نے درج ذیل نکات کو مرکزی حیثیت دی ہے:

- قرآن مجید میں براہِ راست تدبر و تفکر کے ذریعہ آیات کے معانی تک رسائی اور ان کا بیان کرنا تفسیرِ قرآن ہے۔
- مفسر کے لئے مفردات واسالیبِ قرآن کا فہم، تاریخِ انسانی اور بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اقوامِ عالم (عرب وغیرہ) کے حالات، سیرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے حالات کا علم ہونا۔
- عربی زبان کی معرفت اور اس پر کامل عبور ہونا۔
- مفرداتِ قرآن کے فہم کے لئے عربی لغت اور نظمِ آیات میں غور وفکر کرنا۔
- اسالیبِ قرآن کے فہم کے لئے عربی لغت اور قرآن میں تدبر و تفکر۔
- فہمِ آیات اور بیانِ تفسیر کے لئے کتبِ تفسیر میں مذکور اقوال کی طرف رجوع کے بجائے اپنی عقل کو استعمال کرنا۔

محمد عبدہ نے تفسیرِ قرآن کے لئے احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت وضرورت کا ذکر نہیں کیا لٰہذا کہا جا سکتا ہے کہ وہ بحیثیت ایک اصول و قاعدہ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تفسیرِ قرآن کو بالعموم ضروری نہیں سمجھتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اور تابعین کے اقوال وآثار کو بھی محمد عبدہ نے تفسیرِ قرآن کے لئے ضروری شرائط اور ماخذ میں شامل نہیں کیا۔[۱۳]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی محمد عبدہ کی نظر میں تفسیر کا اصل الاصول عقلِ انسانی ہے۔ سطورِ ذیل میں تفسیرالقرآن بالقرآن و السنة کے بارے میں محمد عبدہ کے موقف ومنہج کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

تفسیر القرآن بالقرآن اور مفتی محمد عبدہ:

محمد عبدہ نے اپنی تفسیر میں آیات کی تشریح و توضیح دیگر آیات کی روشنی میں بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ مثلاً سورۃ النباء آیت ﴿وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا﴾[14] کی تفسیر آیات ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾[15] ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾[16] ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ﴾[17] کی روشنی میں کرتے ہیں کہ جس روز نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائے گا آسمان بھی اپنی موجودہ طبعی صورت اور ہیئت کھو دے گا۔ کوئی آسمان ہی نہ رہے گا جس پر ستاروں کا نظام قائم رہے۔ اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ آسمان میں راستے اور دروازے بن جائیں گے بلکہ تباہی و خرابی کی وجہ سے نظامِ سفلی وارضی کی طرح نظامِ علوی وسماوی کی بھی موجودہ شکل ختم ہو جائے گی۔[18]

سورۃ الانفطار آیت ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ﴾[19] کی تفسیر میں بر کی تشریح دیگر آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں یوں کرتے ہیں: بر صرف صدق وتقویٰ کا نام نہیں بلکہ اس کی وضاحت قرآن مجید یوں کرتا ہے کہ ﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾[20] بر یعنی نیکی کا انحصار ایمان پر ہے اور بعد از ایمان نیکی ان مذکورہ اوصاف واعمال کا نام ہے۔ جب یہ افعال و اوصاف جمع ہو جائیں تو یہی تقویٰ ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾[21] تو محض انفاق کا نام بھی نیکی نہیں ہے بلکہ جیسا اپنے لئے پسند کرتے ہو اس طرح کا انفاق نیکی ہے۔[22]

یہ بات ثابت شدہ ہے کہ قرآن کی تفہیم و تشریح مطلق تدبر و تفکر فی القرآن سے ممکن ہی نہیں۔ انسانی عقل ناقص ہے اور مجرد عقل سے مفاہیم آیات پر مطلع نہیں ہوا جا سکتا۔ قرآن مجید وحی ہے اور وحی کی توضیح و تفہیم کا راستہ وحی (سنت) ہی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ...الخ"[23]

امام خطابیؒ (م ۳۸۸ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

قوله" أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ" يحتمل وجهين من التأويل أحدهما أن يكون معناه أنه أوتي من الوحي الباطن غير المتلو مثل ما أعطي من الظاهر المتلو. ويحتمل أن يكون معناه أنه أوتي الكتاب وحيا يتلى وأوتي من البيان أي أذن له أن يبين ما في الكتاب ويعم ويخص وأن

يزيد عليه فيشرع ما لبس لهُ في الكتاب ذكر فيكون ذلك في وجوب الحكم ولزوم العمل به كالظاهر المتلو من القرآن.[۲۴]

اس قولِ رسول ﷺ کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ظاہر جو وحی متلو ہے کی مانند وحی باطن جو کہ وحی غیر متلو ہے بھی دی گئی اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی متلو یعنی کتاب اللہ دی گئی تو اس کا بیان و وضاحت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کی وضاحت کرتے ہیں، احکام میں عام وخاص کی نشاندہی کرتے ہیں اور آیات کی مراد میں (مدلول پر) اضافہ کرتے ہیں اور جن امور کا ذکر کتاب اللہ میں نہیں انہیں بھی بیان فرماتے ہیں۔ لہٰذا اس پر عمل اور قبول کرنا، قرآن کی ظاہری آیات جن کی تلاوت کی جاتی ہے کی طرح ہی واجب اور لازم ہے۔

کتاب اللہ کی تفہیم و توضیح میں سنت کی شدید احتیاج کے پیشِ نظر آئمہ امت **"القرآن احوج الی السنة من السنة الی القرآن "**[۲۵] کے قائل ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ **"السنة قاضية على الكتاب"**۔[۲۶]

چونکہ محمد عبدہ نے احادیث کو تفسیرِ قرآن کے لئے ایک مستقل اصول اور مصدر کے طور پر بالعموم اختیار نہیں کیا اس لئے انہوں نے تفسیر القرآن بالقرآن کی بنیاد پر جمہور مفسرین کے برعکس تشریح بھی کی ہے۔ مثلاً سورة النصر ﴿**إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا**﴾[۲۷] کی تفسیر محمد عبدہ یوں کرتے ہیں کہ **سورة النصر** میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشکلات و مصائب پر متفکر و مضطرب ہونے کے گناہ سے استغفار کرنے کا حکم دیا اور خبر دی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح و نصرت عطا کر دی جائے گی تو یہ مشکلات و مصائب بھی باقی نہ رہیں گے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام اللہ کی حمد و ثناء بیان کرنا ہوگا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشکلات و مصائب پر پریشان ہونا اس لئے گناہ کے زمرے میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے اس اضطراب پر فکر مند ہوتے گویا کہ میں اس طرح گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ عام لوگوں کی سطح کی نیکیاں مقربین کی سطح کی برائیاں ہوتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اضطرابی حالت اور پریشانی جس پر استغفار کی تعلیم دی گئی، کو محمد عبدہ درج ذیل آیات سے واضح کرتے ہیں:

﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَى إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا....الخ﴾[۲۸]

﴿ قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ ....الخ﴾[۲۹]

﴿وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ ....الخ﴾[۳۰]

﴿ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ.....الخ﴾[۳۱،۳۲]

روایات و آثار سے ہٹ کر یہاں محمد عبدہ نے دیگر آیاتِ قرآنیہ کی روشنی میں **سورة النصر** کی تفسیر میں غلطی کی ہے۔ روایات کے مطابق **سورة النصر** میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح و نصرت کی نوید اور فتح حاصل ہونے تک استغفار کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ یہ سورۃ فتح و نصرتِ الٰہی عطا ہونے کے بعد نازل ہوئی۔ مکہ مکرمہ فتح ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں خبر دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض نبوت کی تکمیل ہو چکی ہے۔ مکہ مکرمہ جہاں سے کفار نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نکالا تھا فتح ہو گیا ہے اور لوگ جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رب سے ملاقات کا وقت قریب آگیا ہے، جہاں رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہترین میزبانی اور بھلائیاں تیار کر رکھی ہیں۔ لہٰذا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے تحمید و تسبیح و استغفار میں مشغول ہو جائیں۔[۳۳]

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سورۃ کے نزول کے بعد آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں **سبحانک ربنا وبحمدک اللهم اغفرلی** اور **سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَاوَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي** کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔[۳۴]

پس مفسر اگر روایات و آثار سے بے اعتنائی برتتے ہوئے صرف اپنی فکری استعداد اور تدبر و ذکاوت پر اعتماد کرے تو وہ خطا کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث کی روشنی میں تفسیرِ قرآن افضل اور خطا سے محفوظ طریقہ ہے۔[۳۵]

تفسیر القرآن بالسنة اور مفتی محمد عبدہ:

محمد عبدہ کے نزدیک احادیث کے قبول و رد کا معیار ان کی متواتر و آحاد میں تقسیم اور عقائد و احکام میں تفریق کی بنیاد پر ہے۔ وہ عقائد میں خبرِ واحد کی حجت کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک خبرِ آحاد ظن ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ظن کی اتباع کرنے پر تنبیہ فرمائی ہے[۳۶]۔ لکھتے ہیں:

> ليس من الجائز لنا أن نعتقد بشئ من ذلک ما لم يرد به خبر متواتر عن المعصوم صلى الله عليه وسلم ... فانه لا يجوز أن يدخل فی عقائد الدين لعدم تواتر خبره عن النبی صلی الله عليه وسلم ولا يجوز لنا الاخذ بالظن فی عقيدة مثل هذه والاكنا من الذين ان يتبعون الا الظن نعوذ بالله.[۳۷]

ایسی بات پر یقین رکھنا جائز نہیں جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبرِ متواتر نہ پہنچی ہو... دینی عقائد میں وہ باتیں داخل کرنا جائز نہیں جن کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر طور پر نہ پہنچی ہو اور نہ ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ عقیدہ میں ظن (گمان) سے دلیل پکڑیں ورنہ ہم ان لوگوں میں شامل ہو جائیں گے جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ یہ لوگ تو صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں، ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ایک اور مقام پر انہوں نے لکھا ہے:

والآحاد لا يؤخذ بها في باب العقائد.[۳۸]

عقائد کے بارے میں آحاد سے کوئی دلیل نہیں لی جاتی۔

خبرِ واحد کی حجیت اور اسلاف:

خبرِ واحد کا شریعتِ اسلام میں حجت ہونا ہر دور میں مسلم رہا ہے اور اس پر بحیثیت حجتِ شرعی صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین، محدثین وفقہائے عظام اور علمائے اسلام کا اجماع و تعامل رہا ہے۔ صحیح بخاری، کتاب اخبار الآحاد میں مذکور آیات و احادیث خبرِ واحد کی حجیت پر سند ہیں۔ نقلِ احادیث سے قبل امام بخاریؒ (م۔ ۲۵۶ھ) لکھتے ہیں:

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ﴾ الآية [التوبة ۹: ۱۲۲]وَيُسَمَّى الرَّجُلُ طَائِفَةً لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا﴾ [الحجرات۴۹: ۹]فَلَوِ اقْتَتَلَ رَجُلَانِ دَخَلَ فِي مَعْنَى الآيَةِ وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ [الحجرات ۴۹:۶]وَكَيْفَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَرَاءَهُ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ فَإِنْ سَهَا أَحَدٌ مِنْهُمْ رُدَّ إِلَى السُّنَّةِ.[۳۹]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر گروہ میں سے کچھ لوگ نکلیں" الآیۃ، اور ایک شخص کے لئے بھی لفظ طائفہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے سورۃ الحجرات کی آیت "اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں" اس آیت کے معنی میں دو مسلمان آدمی بھی داخل ہیں جو آپس میں لڑ پڑیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اگر تمہارے پاس فاسق آدمی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو"۔ اگر خبرِ واحد مقبول نہ ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کے بعد دوسرے شخص کو حاکم بنا کر کیوں بھیجتے تاکہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسرا اسے سنت کی طرف لوٹا دے۔

سورة التوبة کی مذکورہ بالا آیت سے واضح ہوتا ہے کہ فردِ واحد دینی علم حاصل کرنے کے بعد جب اہلِ علاقہ کو تعلیم دے گا تو اس ایک فرد سے دین سیکھنا ان کے لئے کافی ہو گا۔

نیز سورة الحجرات آیت ﴿إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ ....الخ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ خبر کی قبولیت کا انحصار تعداد پر نہیں مخبر کے صادق یا کاذب ہونے پر ہوتا ہے۔

علامہ ابنِ حزم الاندلسی (م ۴۵۶ھ)، آیت ہٰذا سے خبرِ واحد کی حجت پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صارتا مقدمتين أنتجتا قبول خبرالواحدالعادل دون الفاسق بضرورة البرهان.[40]

درج بالا آیت سے دو نتائج نکلتے ہیں کہ عادل راوی کی خبرِ واحد کو قبول کیا جائے گا اور فاسق کی خبر کو نہیں کیونکہ اس کی خبر کی قبولیت میں دلیل کی ضرورت ہے۔

وہ صحابہ کرام جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دین سیکھنے آتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تلقین کرتے کہ وہ واپس جا کر اپنے قبیلہ اور علاقے والوں کو دین کی تعلیم دیں گے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ربیعہ کے افراد کو فرمایا: **احْفَظُوهُنَّ وَأَبْلِغُوهُنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ**[41] "دین کی ان تعلیمات کو یاد رکھو اور اپنے پیچھے والوں تک انہیں پہنچا دینا۔"

صحابہ کرام کا معمول تھا کہ وہ علمِ دین میں باہم ایک صحابی کی بیان کردہ روایت کو قبول کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تحصیلِ علم کے لئے ایک انصاری صحابی سے باری مقرر کی ہوئی تھی۔ جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجلسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر حاضر ہوتے وہ انصاری صحابی حاضر ہوتے اور جس روز وہ انصاری صحابی مجلسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شریک نہ ہوتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجلس میں موجود رہتے۔ اس طرح وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فرمان سنتے وہ ایک دوسرے کو بتا دیتے۔[42]

امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) نے **الحجة فی تثبیت خبر الواحد** کے عنوان سے اس کے حجتِ شرعی ہونے پر طویل اور عمدہ کلام کیا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ نص یا اجماع کی رو سے خبرِ واحد کے ثبوت کے بارے میں بتایئے تو جواب میں امام شافعیؒ نے یہ حدیث بیان کی:

نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا وَحَفِظَهَا وَبَلَّغَهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ " ثَلَاثٌ لَا يُغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُسْلِمٍ: إِخْلَاصُ العَمَلِ لِلَّهِ وَمُنَاصَحَةُ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَلُزُومُ جَمَاعَتِهِمْ فَإِنَّ الدَّعْوَةَ تُحِيطُ مِنْ وَرَائِهِمْ.[43]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوشحالی عطا کرے جس نے میری باتوں کو غور سے سنا، انہیں محفوظ کیا اور انہیں دوسروں تک پہنچایا... الخ۔

اس حدیث سے امام شافعیؒ یوں استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک شخص کو احادیث سننے، یاد کرنے اور آگے منتقل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس حکم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فردِ واحد اس فریضہ کو تبھی ادا کرے گا جب اسے یقین ہو گا کہ یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی منسوب ہے۔ لہٰذا حدیث کی قبولیت میں تعدادِ رواۃ نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی نسبت ثابت ہونا اہم ہے۔ آپؒ ہی لکھتے ہیں:

فلما نَدَب رسول الله إلى استماع مقالته وحفظِها وأدائها امرأً يؤديها والامْرء واحدٌ: دلَّ على أنه لا يأمر أن يُؤَدَّى عنه إلا ما تقوم به الحجة على من أدى إليه؛ لأنه إنما يؤدى عنه حلال وحرام يُجتَنَب وحد يُقام ومال يؤخذ ويعطى ونصيحة في دينٍ ودنيا. [۴۴]

حجیتِ خبرِ واحد کے دلائل میں امام شافعیؒ مزید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے نویں سال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا۔ حج کے موقع پر مختلف قبائل اور شہروں سے لوگ حاضر ہوتے تھے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں حج کے مناسک کی ادائیگی کروائی۔ اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حجاجِ کرام کی طرف روانہ کیا جنہوں نے یوم النحر یعنی دس ذوالحجہ کو حجاج کے اجتماع میں سورة التوبة کی آیات[۴۵] پڑھ کر سنائیں۔ سیدنا ابو بکر و سیدنا علی رضی اللہ عنھما اپنی دینی ثقاہت، دیانت داری اور خوبیوں کے حوالے سے معروف تھے۔ حجاج میں سے اگر کوئی ان دونوں صحابہ سے ناواقف تھا تو بھی ان کی سچائی اور فضیلت کے بارے میں اسے دوسروں سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ سمجھتے کہ ایک شخص کی دی ہوئی خبر سے سننے والوں پر حجت پوری نہیں ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو اپنا پیغامبر بنا کر نہ بھیجتے اور اگر صحابہ کرام فردِ واحد سے خبر کے عدم قبول کا عقیدہ رکھتے تو وہ ایک صحابی کی اقتدا میں حج کا فریضہ ادا کرتے اور نہ ہی ایک صحابی سے سورة التوبة کی آیات و رسول اللہ ﷺ کا پیغام قبول کرتے۔[۴۶]

سلسلہ دلائل کے بعد امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

وفي تثبيت خبر الواحد أحاديث يكفي بعضُ هذا منها. ولم يزل سبيل سلفنا والقرونِ بعدهم إلى من شاهدنا هذا السبيل. [۴۷]

خبرِ واحد کو قبول کرنے کے ثبوت میں مزید احادیث بھی ہیں لیکن ان کا بیان کافی ہے۔ یہی وہ راستہ ہے

جس پر ہمارے اسلاف اور قرونِ مابعد کے لوگوں نے عمل کیا ہے۔
پھر امام شافعیؒ نے خبرِ واحد کے حجت شرعی ہونے پر اجماعِ امت یوں نقل کیا ہے جس میں عقائد و احکام کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

أجمع المسلمون قديما وحديثاً على تثبيت خبر الواحد والانتهاء إليه.[۴۸]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خبرِ واحد کو حجتِ شرعی تسلیم نہ کرنا، گویا احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے۔ امام شافعیؒ نے عدم قبولیت کا قول اختیار کرنے والوں کو اس حدیث کے حکم میں شامل کیا ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو انکارِ حدیث کی پیشگی اطلاع دی تھی۔

لاَ أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ أَمْرٌ مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ: لاَ أَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللهِ اتَّبَعْنَاهُ.[۴۹]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا ہو اور اس کے سامنے میرے احکام میں سے کوئی حکم پیش کیا جائے جس میں کسی بات پر عمل کرنے یا رکنے کا حکم دیا گیا ہو تو وہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں اللہ کی کتاب میں ہمیں اس کے بارے میں کچھ نہیں ملا جس کی ہم پیروی کریں۔

علامہ خطیب بغدادیؒ (م 463ھ)، امام شافعیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کہ حدیث کے حجت ہونے کے لئے رواۃ کی کم سے کم تعداد کتنی مطلوب ہے تو انہوں نے جواب دیا: **"خبر الواحد عن الواحد حتى ينتهي به إلى النبي صلى الله عليه وسلم"**[۵۰] یعنی واحد راوی کی واحد راوی سے خبر جبکہ اس کی سند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے تو اس سے حجت قائم ہو جاتی ہے۔

منکرینِ خبرِ واحد کا رد کرتے ہوئے، خطیب بغدادیؒ نے اس روش کو دین سے خروج اور جہالت کے مترادف قرار دیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ بات (خبرِ واحد سے حجت قائم نہ ہونا) درست مان لی جائے تو اس سے قطعی طور پر لازم آتا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد تمام ائمہ مسلمین کی ان روایات کو جھٹلا دیا جائے جو انہوں نے بالانفراد وصول اور نقل کی ہیں۔ اور یہ کہا جائے کہ ان حضرات کے پاس اپنے صدق کی کیا دلیل ہے تو بلاشبہ یہ دین سے خروج اور جہالت ہے۔[۵۱]

علامہ ابنِ حزمؒ نے خبرِ واحد کی حجیت اور اس سے وجوبِ علم و عمل پر مدلل اور عالمانہ بحث پیش کرتے ہوئے علمائے اسلاف کے اتفاق کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

أن خبر الواحد العادل عن مثله إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوجب العلم والعمل معا وبهذا نقول.[۵۲]

ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ایک عادل شخص کی خبر جو وہ اپنے جیسے عادل راوی سے بیان کرے اور سلسلۂ سند رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو تو یہ خبر علم کا فائدہ دیتی ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔

الحاصل، قرآن وسنت کے دلائل اور صحابہ وتابعین کے تعامل کی بناء پر علمائے اسلاف کا اس پر اجماع ہے کہ خبرِ واحد حجتِ شرعی ہے۔ یہ علم و عمل کی موجب ہے اور اس کی قبولیت و ثبوت کے لیے عقائد واحکام کے مابین کوئی تخصیص نہیں پائی جاتی۔

کیا خبرِ واحد ظن ہے؟:

"خبر الواحد الثقة المسند اصل من اصول الدین"[۵۳] کے مطابق خبرِ واحد کا شرعی حجت ہونا ثابت شدہ ہے۔ چونکہ ادلۂ شرعیہ سے حاصل ہونے والا علم، ظن نہیں ہوتا اسی لئے ائمہ سلف کے ہاں خبرِ واحد موجب علم و عمل ہے۔ علمِ حدیث میں اصطلاح "ظنی، نظری" عام معنوں میں مستعمل ظن یعنی وہم، گمان، اندازہ و تخمین نہیں ہے۔ چنانچہ آیات ﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾[۵۴] اور ﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾[۵۵] میں مذکور لفظ ظن، علمِ حدیث کی اس اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ جیسا کہ علامہ ابن حزمؒ ان آیات کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

وقد صح أن الله تعالى افترض علينا العمل بخبر الواحد الثقة عن مثله مبلغا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وأن نقول أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بكذا وقال عليه السلام كذا وفعل عليه السلام كذا وحرم القول في دينه بالظن وحرم تعالى أن نقول عليه إلا يعلم ... [الظّن]هو الباطل الذي لا يغني من الحق شيئا والذي هو غير الهدى الذي جاءنا من عند الله تعالى وهذا هو الكذب والإفك والباطل الذي لا يحل القول به والذي حرم الله تعالى علينا أن نقول به وبالتخرص المحرم فصح يقينا أن الخبر المذكور حق مقطوع على غيبه موجب للعلم والعمل... وأنه مع ذلك ظن لا يقطع بصحة غيبه ولا يوجب العلم... وكل ظن يتيقن فليس علما أصلا لا ظاهرا ولا باطنا بل هو ضلال وشك وظن محرم القول به في دين الله.[۵۶]

یعنی ظن سے مراد ضلال، شک، کذب، افک اور باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کذب، تخمین و اندازے اور

باطل سے دین میں کلام کرنا حرام قرار دیا ہے۔ جبکہ ثقہ راوی سے منقول خبرِ واحد قطعی حق ہے۔ اس سے بتایا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یا یہ حکم دیا۔ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا مسلمانوں پر فرض ہے، اس لئے خبرِ واحد سے علم و عمل دونوں واجب ہوتے ہیں جبکہ ظن علم نہیں گمراہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر علم و فن میں مخصوص الفاظ، مخصوص اصطلاحی معنی کے حامل ہوتے ہیں اور ان اصطلاحی معنوں کا اطلاق کسی اور طرح کرنا درست نہیں ہوتا جیسا کہ علم الصرف ایک علم کا اصطلاحی نام ہے۔ جس میں حروف واعراب کی تبدیلی سے معنی کی تبدیلی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ آیت ﴿انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ﴾ [۵۷] کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ دیکھو، ہم اپنی کتاب میں کس طرح حروف واعراب کی ہیر پھیر کرتے ہیں جیسا کہ تم علم الصرف میں دیکھتے ہو۔ ایسا کہنے والے کو سفیہ العقل ہی کہا جائے گا۔ اسی طرح لفظ Case کیس، ہمارے زمانے میں مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ڈاکٹر حضرات لفظ کیس مرض و مریض کی تشخیص و علاج کے لئے بولتے ہیں۔ پولیس کا محکمہ مجرم کی شناخت، گرفتاری اور جرائم کی تحقیق کے لئے، عدالت و وکلاء مقدمات و تنازعات کا فیصلہ کرنے اور انتظامی محکموں میں افسران کی ترقی، جائزہ کارکردگی، ریٹائرمنٹ اور چھٹی کی منظوری وغیرہ کے لئے لفظ کیس استعمال ہوتا ہے۔

ائمہ محدثین کے ہاں خبرِ واحد، دین میں قطعی و یقینی علم کا ذریعہ ہے اور علمِ نظری یا ظنی ان کی اصطلاح میں علم کی درجہ بندی ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (م852ھ) تصریح کرتے ہیں کہ وہ اخبارِ آحاد قطعی علم کا فائدہ دیتی ہیں:

- جو صحیحین میں مذکور ہوں۔
- جو متعدد طرق سے منقول ہوں۔
- جنہیں ثقہ ائمہ حدیث نے روایت کیا ہو جیسا کہ امام مالکؒ و شافعیؒ واحمد بن حنبلؒ و غیرھم ان رواۃ کی جلالتِ قدر کے سبب۔
- جن اخبارِ آحاد کی صحت پر اجماع ہو چکا ہو۔[۵۸]

حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ)، خبرِ واحد کا موجب علم و عمل ہونے پر اجماع امت بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ متاخرین متکلمین میں سے ایک قلیل گروہ نے اس بات سے انکار کیا ہے[۵۹]۔ اسی طرح علامہ ابن قیمؒ (م ۷۵۱ھ) نے بیان کیا ہے کہ علما کے نزدیک صحیحین کی اخبارِ آحاد علمِ یقینی کا حاصل ہیں[۶۰]۔ حافظ ابن قیمؒ مزید لکھتے ہیں کہ "خبر الواحد اذا تلقته الامة بالقبول یوجب العلم والعمل"۔ آپؒ نے ائمہ اسلاف کا اتفاق اور اقوال ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ خبرِ واحد سے افادۂ علم کا انکار معتزلہ اور قدریہ کی اختراع ہے۔[۶۱]

امام شوکانیؒ (م ۱۲۵۵ھ) نے خبرِ واحد سے علمِ یقینی کے حصول پر دلائل اور اجماع نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

ولا نزاع في أن خبر الواحد إذا وقع الإجماع على العمل بمقتضاه فإنه يفيد العلم لأن الإجماع عليه قد صيره من المعلوم صدقه وهكذا خبر الواحد إذا تلقته الأمة بالقبول.[۶۲]

اس میں کوئی نزاع ہی نہیں کہ جب خبرِ واحد پر عمل میں اجماع واقع ہو گیا تو خبرِ واحد علم کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ اجماع سے اس کا صدق معلوم ہو گیا اور اس طرح وہ اخبارِ آحاد جنہیں امت میں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو وہ بھی علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں۔

عقائد واحکام میں تفریق باطل ہے:

اسلاف کے نزدیک احادیث کی عقائد میں عدم قبولیت اور احکام میں قبولیت کی تقسیم کی کوئی اصل اور دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جس طرح احکام، وضو، طریقۂ صلوٰۃ و حج، زکوٰۃ، وراثت و حدود وغیرہ کی احادیث مروی ہیں اسی طرح عقائد، صفاتِ باری تعالیٰ، آخرت و احوالِ قیامت وغیرہ کی احادیث مروی ہیں۔

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

...ولم يفرق هو ولا أحد من أهل الحديث البتة بين أحاديث الأحكام وأحاديث الصفات ولا يعرف هذا الفرق عن أحد من الصحابة ولا عن أحد من التابعين ولا من تابعهم ولا عن أحد من أئمة الإسلام وإنما يعرف عن رءوس أهل البدع ومن تبعهم.[۶۳]

...نہ ہی انہوں یعنی امام شافعیؒ نے اور نہ اہلِ حدیث نے، احادیثِ احکام اور احادیثِ صفات میں فرق کیا ہے۔ نہ ہی صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اسلام نے ایسا فرق کیا ہے۔ یہ فرق اہلِ بدعت اور ان کے پیروکاروں کی اختراع ہے۔

مزید، عقائد واحکام کی اس تقسیم پر نقد کرتے ہوئے ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ اگر خبرِ واحد سے ظن حاصل ہوتا ہے تو اس سے احکام کا اثبات بھی ایسا ہی ممنوع ہونا چاہیے جیسا کہ اسماوصفات کا اثبات منع ہے۔ دین، عقائد واحکام کا مجموعہ ہے اور دین میں ایسی تفریق اجماع امت کی رو سے باطل ہے۔[۶۴]

اس سلسلہ میں نقلی و عقلی دلائل پیش کرتے ہوئے حافظ ابن قیمؒ نے نہایت دقیق نکتہ بیان کیا ہے کہ اگر خبرِ واحد کو عقائد میں حجت تسلیم نہ کیا جائے تو اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغِ دین پر عیب لازم آتا ہے جو کہ یقیناً بہت بڑا جرم اور گناہ ہے۔

چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں: صفاتِ باری تعالیٰ، مسائلِ قدر و رؤیت، شفاعت، حوض، اہلِ اسلام گناہ گاروں کے جہنم سے اخراج، جنت و جہنم کی صفات، ترغیب و ترہیب، وعدہ و وعید، فضائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم، مناقب صحابہ رضی اللہ عنھم اور اخبارِ انبیا علیھم السلام وغیرھم میں، احادیثِ آحاد کی روایت پر متقدمین و متاخرین کا اجماع ہے۔ یہ تمام امور علمی ہیں، عملی نہیں ہیں۔ ان امور کے بارے میں سامع کو روایات سے ہی علم حاصل ہوتا ہے۔ پس اگر ہم یہ کہیں کہ ان میں خبرِ واحد علم کا فائدہ نہیں دیتی تو اس سے ہم خود پر ایسی بات کا بوجھ اٹھا رہے ہیں کہ نعوذ باللہ ان اخبارِ آحاد کو نقل کرنے سے امت خطا کا ارتکاب کرتی رہی ہے اور علما ایسے کام میں مشغول رہے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ لہٰذا وہ ایسی کتب مدون کرتے رہے ہیں جن کی طرف رجوع اور اعتماد کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر خبرِ واحد قبول نہ کرنے کا قول اس سے بھی بہت زیادہ بڑا بار ہوگا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو فرداً فرداً منتقل کیا۔ ہر صحابی نے دین امت کو سکھایا۔ اگر راوی کی روایت اس لئے قبول کرنا درست نہیں ہے کہ وہ واحد راوی ہے تو یہ عیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتا ہے (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی واحد شخص تھے جنہوں نے تعلیمِ دین کا فرضِ منصبی ادا کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صحابی کو بالانفراد دین سکھانے کے بعد اسے آگے منتقل کرنے کا حکم دے کر نعوذ باللہ غلطی کی) ہم ایسے قبیح اعتقاد اور قول سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔[۶۵]

محمد عبدہ اور خبرِ متواتر:

محمد عبدہ کے اسلوبِ تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیات کی تشریح میں احادیث کی طرف رجوع کو بالعموم ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔ جبکہ اولین ترجیح ذاتی فہم و منشا کو حاصل ہے۔ احادیثِ آحاد کو عقائد میں قبول نہ کرنے کے ساتھ وہ واضح کرتے ہیں کہ جن امورِ دینیہ کی خبر احادیثِ متواتر سے ثابت ہو انہیں قبول کیا جائے گا۔

لیکن ان کی تفسیر کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے اس قول پر بھی قائم نہیں ہیں۔ جو دینی تعلیمات ان کی عقل کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتیں وہ ان کا صریحاً انکار اور تاویل کرتے ہیں، خواہ اس پر خبرِ متواتر موجود ہو۔ اس طرزِ تفسیر کی مثال قربِ قیامت میں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ہے۔ محمد عبدہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور وہ روایات جن میں آپ علیہ السلام کے نزول کی خبر ہے، آحاد ہیں جنہیں تسلیم کرنا درست نہیں ہے۔[۶۶]

جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے قبل آخری زمانے میں نزول خبر متواتر سے ثابت ہے۔ اس بارے میں کثیر احادیث موجود ہیں۔[۶۷]

جامع ترمذی میں **ابواب الفتن باب ماجاء فی قتل عیسیٰ ابن مریم الدجال** میں حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کرنے کے بعد مذکور ہے کہ اس باب میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، نافع بن عتبہ رضی اللہ عنہ، ابو برزۃ رضی اللہ عنہ، حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کیسان رضی اللہ عنہ، عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، ابوامامہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ، نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ، عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث مروی ہیں۔[۶۸]

یوں محمد عبدہ نے خبرِ متواتر سے بھی صرفِ نظر کیا ہے۔

محمد عبدہ خبرِ متواتر کی بھی لفظی و معنوی میں تقسیم کرتے ہوئے خبرِ متواتر معنوی کو مصدرِ تفسیر تسلیم نہ کرتے ہوئے ذاتی پیمانۂ عقل پر آیات کی تفسیر کرتے ہیں جیسا کہ آیت ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں کفارِ مکہ کے طنز و طعن کے جواب میں اللہ کی طرف سے قوت و عزت عطا کرنے کی نوید دی گئی ہے۔ لہٰذا سیاقِ سورۃ میں کوئی وجہ نہیں ہے کہ جس سے حوضِ کوثر مراد لیا جائے۔ نیز قریش کے طعنوں کے جواب میں مسلمانوں کو قوت و شوکت کی خیرِ کثیر دینے کا مصداق حوض کو قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس بات پر اعتقاد کہ کوثر، جنت کی ایک نہر ہے خبرِ متواتر پر موقوف ہے۔ ایک جماعت کی رائے میں یہ اخبار متواتر ہیں لیکن (ہمارے نزدیک) یہ تواتر معنوی ہے۔ قرآن مجید کی طرح تواتر (لفظی) نہیں ہے۔ جس طرح قرآن مجید سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اور ایامِ مدینہ کا علم حاصل ہوتا ہے اس طرح غیبی امور کی قبیل سے اس نہر کی موجودگی کا علم جو کہ یقین پر موقوف ہے، حاصل نہیں ہوتا۔[۶۹]

لیکن محمد عبدہ کی اس تشریح کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ ﴿الْكَوْثَرَ﴾ سے حوضِ کوثر مراد ہونا صحیح بخاری میں مذکور احادیث سے ثابت ہے۔[۷۰]

ائمہ اسلاف کے نزدیک قرآن کی تشریح کا مبارک فریضہ سرانجام دینے کے لئے احادیث کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے کیونکہ صحیح احادیث خواہ آحاد ہوں یا متواتر، قرآن کی مفسر و مبین ہیں۔ لیکن محمد عبدہ نے علمائے سلف کے اس متفقہ تفسیری اصول **"اذا عرف التفسير من جهة النبی صلی الله عليه وسلم فلا حاجة الی قول من بعده"**[۷۱] کے برعکس احادیث پر ذاتی فہم و عقل کو مقدم رکھا ہے۔ اس طرح وہ جمہور مفسرین سے الگ راہِ تفرد پر قائم نظر آتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱- النحل ۱۶: ۴۴
۲- آل عمران ۳: ۱۶۴
۳- الانعام ۶: ۸۲
۴- لقمان ۳۱: ۱۳
۵- البخاری، محمد بن إسماعیل (م ۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء، کتاب التفسیر، سورۃ لقمان، باب لا تشرک باللہ ... ، رقم الحدیث: ۴۷۷۶، ص: ۸۳۹
۶- الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ)، الجامع، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء، ابواب تفسیر القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ومن سورۃ اذا زلزلت الارض، رقم الحدیث: ۳۳۵۳، ص: ۷۹۹
۷- الزلزال ۹۹: ۴
۸- النساء ۴: ۳
۹- النساء ۴: ۲۳
۱۰- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب لا تنکح المرأۃ علی عمتہا، رقم الحدیث: ۵۱۰۹، ص: ۹۱۴
۱۱- النساء ۴: ۱۲۶
۱۲- مجلۃ المنار میں شائع ہونے والی یہ تفسیر، تفسیر القرآن الحکیم کے نام سے طبع ہوئی اور تفسیر المنار کے نام سے معروف ہے۔ محمد عبدہ نے اپنی وفات سے تقریباً دو سال قبل جزء عم کی تفسیر از خود تحریر کی تھی جو تفسیر القرآن الکریم جزء عم کے نام سے طبع ہوئی ہے۔
۱۳- دیکھئے: محمد عبدہ و رشید رضا، تفسیر القرآن الحکیم المشہور بتفسیر المنار، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء، ۱/ ۲۲- ۲۶
۱۴- النبأ ۷۸: ۱۹
۱۵- الانشقاق ۸۴: ۱
۱۶- الانفطار ۸۲: ۱
۱۷- الفرقان ۲۵: ۲۵
۱۸- محمد عبدہ (م ۱۳۲۳ھ)، تفسیر القرآن الکریم (تفسیر جزء عم)، مطبعۃ مصر شرکۃ ساہمۃ مصریۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۴۱ھ، ص: ۵
۱۹- الانفطار ۸۲: ۱۳
۲۰- البقرۃ ۲: ۱۷۷
۲۱- آل عمران ۳: ۹۲
۲۲- تفسیر جزء عم، ص: ۳۷
۲۳- ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی (م ۲۷۵ھ)، السنن، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، رقم الحدیث: ۴۶۰۴، ص: ۹۱۲
۲۴- الخطابی، ابو سلیمان حمد بن محمد (م ۳۸۸ھ)، معالم السنن، مطبعۃ العلمیۃ حلب، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء، ۴/ ۲۹۸
۲۵- خطیب بغدادی، احمد بن علی (م ۴۶۳ھ)، الکفایۃ فی علم الروایۃ، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد، انڈیا، ۱۳۵۷ھ، ص: ۱۴؛ القرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد (م ۶۷۱ھ)، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۰۸ھ، ۱/ ۶۷

۲۶- الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن (م ۲۵۵ھ)، السنن، قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی، س-ن، باب السنۃ قاضیۃ علی کتاب اللہ، ۱/ ۱۵۳؛ الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص: ۱۴؛ الجامع لاحکام القرآن، ۱/ ۶۷ ؛ نیز دیکھئے: ابن تیمیۃ، احمد بن عبدالحلیم (م ۷۲۸ھ)، مقدمۃ فی اصول التفسیر، مطبعۃ الشرقی بدمشق، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء، ص: ۲۴- ۲۹؛ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابو بکر (م ۹۱۱ھ)، الاتقان فی علوم القرآن، دار الغد الجدید القاہرۃ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء، ۴/ ۱۵۸- ۱۶۴

۲۷-النصر، ۱۱۰: ۱- ۳

۲۸- ہود ۱۱: ۱۲

۲۹- الانعام ۶: ۳۳

۳۰- الانعام ۶: ۳۵

۳۱- البقرۃ ۲: ۲۱۴

۳۲- تفسیر جزء عم، ص: ۱۷۱

۳۳- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب سورۃ اذا جاء نصر اللہ، رقم الحدیث: ۴۹۶۷- ۴۹۷۰، ص: ۸۹۰-۸۹۱؛ الترمذی، الجامع، ابواب التفسیر، باب ومن سورۃ الفتح، رقم الحدیث: ۳۳۶۲، ص: ۹۹۹؛ الطبری، محمد بن جریر (م ۳۱۰ھ)، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، مرکز البحوث والدراسات العربیۃ والاسلامیۃ، القاہرۃ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء، ۲۴/ ۷۰۵- ۷۱۳؛ الاتقان فی علوم القرآن، ۴/ ۲۳۹

۳۴- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب سورۃ اذا جاء نصر اللہ، رقم الحدیث: ۴۹۶۷، ۴۹۶۸، ص: ۸۹۰، ۸۹۱

۳۵- محمد عبدہ کے طرزِ تفسیر میں احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے فہم کی بناء پر حسبِ منشاء تفسیر کی مثالوں کے لئے ملاحظہ کیجئے: تفسیر جزء عم، ص: ۱۴۰، ۱۴۶- ۱۴۷، ۱۸۳؛ تفسیر المنار، ۱/ ۳۷۴؛ ۴/ ۳۵۸- ۳۶۱؛ ۵/ ۹۲- ۹۳

۳۶- ﴿إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾[النجم ٥٣: ٢٣] ﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ﴾[الانعام ٦: ١٤٨]

۳۷- تفسیر جزء عم، ص: ۱۳۲

۳۸- ایضاً، ص: ۱۸۲

۳۹- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب اخبار الآحاد، باب ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد....، ص: ۱۲۴۷

۴۰- ابن حزم الاندلسی، علی بن احمد (م ۴۵۶ھ)، الاحکام فی اصول الاحکام، دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء، ۱/ ۱۱۹

۴۱- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب اخبار الآحاد، باب وصاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وفود العرب ان یبلغو من وراءہم، رقم الحدیث: ۷۲۶۶، ص: ۱۲۵۰؛ نیز دیکھئے، باب ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد، رقم الحدیث: ۷۲۴۶، ص: ۱۲۴۸

۴۲- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب اخبار الآحاد، باب ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد....، رقم الحدیث: ۷۲۵۶، ص: ۱۲۴۹

۴۳- الترمذی، الجامع، ابواب العلم، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع، رقم الحدیث: ۲۶۵۸، ص: ۷۹۲

۴۴- الشافعی، محمد بن ادریس (م ۲۰۴ھ)، الرسالۃ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء، ص: ۴۰۲- ۴۰۳

۴۵- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ التوبۃ کی ابتدائی تیس یا چالیس آیات مجمع عام میں پڑھیں اور ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لئے نہیں آئے گا، نہ کوئی عریاں حالت میں بیت اللہ کا طواف

کرے گا، جنت میں مومن کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا اور جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے اس کی مدت آج سے چار ماہ ہے۔ تفصیل اور روایات کے لئے رجوع کیجئے: جامع البیان عن تاویل آی القرآن، ۱۱/ ۳۰۴- ۳۰۹؛ الرازی، فخر الدین محمد بن عمر (م ۶۰۴ھ)، مفاتیح الغیب، دار الفکر للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، الطبعة الاولیٰ، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء، ۱۵/ ۲۲۶-۲۲۷؛ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم، دار ابن حزم للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، الطبعة الاولیٰ، ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء، ص: ۸۵۹- ۸۶۲

۴۶- الرسالة، ص: ۴۱۴- ۴۱۵؛ النسائی، ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب (م ۳۰۳ھ)، السنن، دار السلام للنشر و التوزیع الریاض، ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء، کتاب مناسک الحج، باب الخطبة قبل یوم الترویة، رقم الحدیث: ۲۹۹۶، ص: ۵۷۷

۴۷- الرسالة، ص: ۴۵۳

۴۸- ایضاً، ص: ۴۵۷

۴۹- الترمذی، الجامع، ابواب العلم، باب ما نہی عنہ ان یقال...، رقم الحدیث: ۲۶۶۳، ص: ۷۹۴

۵۰- الکفایة فی علم الروایة، ص: ۲۳- ۲۴

۵۱- ایضاً، ص: ۱۹

۵۲- الاحکام فی اصول الاحکام، ۱/ ۱۱۹

۵۳- ایضاً، ۱/ ۱۱۷

۵۴- النجم ۵۳: ۲۳

۵۵- الانعام ۶: ۱۴۸

۵۶- الاحکام فی اصول الاحکام، ۱/ ۱۲۵-۱۲۶، ۱۲۸

۵۷- الانعام ۶: ۶۵

۵۸- ماخوذ، تفصیل کے لئے دیکھئے، ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی (م ۸۵۲ھ)، نزہة النظر فی توضیح نخبة الفکر، مکتبة ابن عباس للنشر و التوزیع المنصورة، جمہوریة مصر العربیة، س ن، ص: ۸۹- ۹۵

۵۹- مقدمة فی اصول التفسیر، ص: ۱۷

۶۰- ابن قیم، محمد بن ابو بکر (م ۷۵۱ھ)، مختصر الصواعق المرسلة علی الجہمیة والمعطلة، مکتبة اضواء السلف الریاض، الطبعة الاولیٰ، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء، ۴/ ۱۵۰۱- ۱۵۰۲

۶۱- مختصر الصواعق المرسلة علی الجہمیة والمعطلة، ۴/ ۱۵۵۷- ۱۵۵۸، اقوالِ سلف کے لئے ملاحظہ کیجئے، ۴/ ۱۴۷۲- ۱۴۸۰

۶۲- الشوکانی، محمد بن علی (م ۱۲۵۵ھ)، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، دار الفضیلة للنشر والتوزیع الریاض، الطبعة الاولیٰ، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء، ص: ۲۵۵

۶۳- مختصر الصواعق المرسلة علی الجہمیة والمعطلة، ۴/ ۱۶۱۳؛ نیز دیکھئے، ۴/ ۱۵۷۰- ۱۵۷۱

۶۴- ایضاً، ۴/ ۱۵۷۰

۶۵- ایضاً، ۴/ ۱۵۵۹- ۱۵۶۰

٦٦- تفسیر المنار، ۳/ ۲٦۱

٦۷- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام، رقم الحدیث: ۳۴۴۸، ص: ۵۸۱؛ مزید احادیث کے لئے رجوع کیجئے، مسلم بن الحجاج (م ۲٦۱ھ)، الجامع الصحیح، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام....، رقم الحدیث: ۳۸۹- ۳۹۵، ص: ۷۷- ۷۸؛ کتاب الفتن، باب فی خروج الدجال، رقم الحدیث: ۷۳۸۱، ص: ۱۲۷۴؛ الترمذی، الجامع، ابواب الفتن، باب ماجاء فی نزول عیسیٰ علیہ السلام، رقم الحدیث: ۲۲۳۳، ص: ٦۷۴؛ باب ماجاء فی فتنۃ الدجال، رقم الحدیث: ۲۲۴۰، ص: ٦۷٦- ٦۷۷؛ ابو داؤد، السنن، کتاب الملاحم، باب امارات الساعۃ، رقم الحدیث: ۴۳۱۱، ص: ۸۵۱؛ کتاب الملاحم، باب خروج الدجال، رقم الحدیث: ۴۳۲۴، ص: ۸۵۳

٦۸- الترمذی، الجامع، رقم الحدیث: ۲۲۴۴، ص: ٦۷۸؛ محقق نے جامع ترمذی میں ان تمام صحابہ کرام کی مرویات کی تخریج بھی پیش کر دی ہے۔ ملاحظہ کیجئے، ص: ٦۷۹

٦۹- تفسیر جزء عم، ص: ۱٦۵- ۱٦۷

۷۰- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الرقاق، باب فی الحوض، رقم الحدیث: ٦۵۷۸، ٦۵۷۹، ٦۵۸۰، ٦۵۸۱، ص: ۱۱۳۸

۷۱- خالد بن عثمان السبت، قواعد التفسیر، دار ابن عفان للنشر والتوزیع، ۱۴۲۱ھ، ۱/ ۱۴۹